۱۱

مومن کو ہمیشہ جھوٹے وعدوں سے بچنا چاہئے کہ یہ قوم کی تباہی کا موجب ہوتے ہیں

(فرمودہ ۷؍اپریل ۱۹۳۹ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''جسمانی نشو ونما اور روحانی نشو ونما میں ایک عجیب فرق نظر آتا ہے جس کی طرف بہت ہی کم لوگوں نے توجّہ کی ہے اور وہ یہ ہے کہ جسمانی نشو ونما کی ابتدا میں انسان کا ذہن زیادہ تر اپنی طاقت اور قوت کی طرف جاتا ہے اور جوں جوں انسانی جسم میں طاقت اور قوت پیدا ہوتی ہے اور وہ ہوش سنبھالتا ہے اُس کی نظر نہایت ہی محدود ہوتی چلی جاتی ہے یا محدود ہوتی ہے اور وہ اپنی طاقتوں اور قوتوں پر ایسا گھمنڈ رکھتا ہے کہ خیال کرتا ہے دُنیا کا ہر کام میری ہی مرضی اور منشاء کے ماتحت ہوتا ہے۔ پھر جب انسانی جسم کی نشو ونما کا وقت ختم ہونے کو ہوتا ہے۔ اضمحلال اور کمزوری پیدا ہونے لگتی ہے اس کی نظر اپنے سوا دوسری چیزوں پر بھی پڑنے لگتی ہے۔ اس کے دماغ میں ایک تبدیلی پیدا ہوتی ہے جسے لوگ تجربہ کہتے ہیں اِس تجربہ کے ماتحت آہستہ آہستہ اسے دوسری قوتوں اور طاقتوں کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے دُنیا میں تغیرات صرف میرے یا میرے دوستوں کے ذریعہ ہی نہیں ہو رہے بلکہ اِس کے اسباب اور بھی ہیں جو بعض دفعہ نظر بھی نہیں آتے مگر دُنیا کے تغیرات پر اثر انداز ہو رہے ہوتے ہیں اور آخر جب آہستہ آہستہ

انسان کی طاقتیں بالکل ہی کمزور ہو جاتی ہیں اور اُس کا جسم ڈھل جاتا ہے وہ کمزور ہو جاتا ہے، بے طاقت ہو جاتا ہے تو پھر اُس کی نگاہ دُنیوی اسباب سے ہٹ کر اُن باریک اسباب کی طرف متوجہ ہوتی ہے جو کہ اُس کی زندگی میں تغیر پیدا کرنے والے ہوتے ہیں یا کم سے کم وہ خیال کرتا ہے کہ اُن تغیرات میں اِن کا دخل ہے بلکہ بعض اوقات تو وہ سمجھنے لگتا ہے کہ دُنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اُس میں انسان کا کوئی دخل ہی نہیں بلکہ ایک بالا ہستی سب کچھ انسان سے کرا رہی ہے۔ اِس کے مقابلہ میں رُوحانی نشوونما میں ایک عجیب فرق ہے۔ وہ قومیں جن کے اندر روحانیت ہوتی ہے اور جو دُنیا کی روحانیت کا سبق دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھڑی کی جاتی ہیں اُن کے اندر جوانی میں وہ چیز پیدا ہوتی ہے جو جسمانی نشوونما میں بڑھاپے میں ہوتی ہے۔ ان کے اندر انکسار بڑھا ہؤا ہوتا ہے اور اُن کی نگاہیں ہمیشہ بالا ہستی کی طرف اُٹھتی ہیں اور اُن کو یقین ہوتا ہے کہ وہی اِس کارخانے کو چلانے والا ہے۔ جوانی کا جوش ان کے اندر خود رائی اور خود پسندی پیدا کرنے کے بجائے خدا تعالیٰ کی محبت اور اُس کی طرف توجہ پیدا کرتا ہے اور یہ ایسا نمایاں فرق ہے جو دُنیا میں ہر جگہ اور ہر زمانہ میں ہمیں نظر آتا ہے۔ ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ جسمانی نشوونما میں جوانی میں انسان کی نگاہیں کس طرح اپنی جسمانی طاقتوں تک ہی محدود ہوتی ہیں اور پھر بڑھاپے کے ساتھ کس طرح دماغ میں وہ تجربہ پیدا ہوتا ہے جو بیرونی اثرات اور تاثیروں کی طرف اسے متوجہ کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ انسان کی طاقت کچھ بھی نہیں۔ تم روزانہ نوجوانوں اور بوڑھوں کو باتیں کرتے سُنتے ہو۔ ایک فریق کہتا ہے کہ مَیں یوں ماروں گا، کوٹوں گا، یہ کر دوں گا وہ کر دوں گا مگر دوسرا کہتا ہے کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے دُنیا میں مل کر رہنا چاہئے، اِتنا جُوش نہیں دکھانا چاہئے۔ ہر جگہ، ہر گھر، ہر خاندان، ہر حکومت اور ہر جتھے میں یہ باتیں نظر آتی ہیں۔ جوانوں کے دل میں یہ خیالات ہوتے ہیں کہ دُنیا میں کوئی ہمارے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا۔ بسا اوقات مقابل کی طاقتوں کو وہ حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں حالانکہ انہیں حقیقی طاقت حاصل نہیں ہوتی۔ مجرم کس لئے حکومتوں سے ٹکراتے ہیں؟ اِسی لئے کہ ان کی نگاہیں اپنے سے اوپر جاتی ہی نہیں نہ وہ پولیس کی پرواہ کرتے ہیں، نہ مجسٹریٹ کی اور نہ حکومت کے دوسرے اداروں اور اُس کی فوجوں کی۔ وہ جُوش میں کھڑے ہو جاتے ہیں

اور کہتے ہیں کہ ہمارا مقابلہ کون کرسکتا ہے؟ ایک جنون کی حالت اُن کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ اُن کے اندر جب جوانی کے آثار پیدا ہوتے ہیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری طاقت ساری دُنیا کو تباہ کر دے گی لیکن جب جوانی کی یہ حالت نہیں رہتی تو ہوش آتا ہے اور وہ پچھتاتے ہیں۔ لوگ آپس میں لڑتے ہیں ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں۔ کوئی روکتا ہے تو کہتے ہیں کہ نہیں ہمیں چھوڑ دو ہم مریں گے یا ماردیں گے لیکن جب کوئی قتل ہو جاتا ہے اور مقدمات بنتے ہیں تو پھر وکیلوں کے آگے ناک رگڑتے ہیں، جائدادیں فروخت کر کے مقدمات کی پیروی پر لگا دیتے ہیں۔ جس وقت کوئی ایسا شخص لڑنے کے لئے جارہا ہوتا ہے اُس وقت اُس کی دماغی کیفیت اَور ہوتی ہے مگر جب پکڑا جاتا ہے اُس وقت اَور ہوتی ہے۔ لڑائی کے وقت تو وہ کہتا ہے کہ مَیں کسی کی پروا نہیں کرتا۔ وہ کس قدر غصّہ کے ساتھ ہر نصیحت کو ٹھکرا دیتا ہے لیکن جب پکڑا جاتا اور حوالات میں بند ہوتا ہے تو پھر بے انتہا مِنّت سماجت کرتا اور پوچھتا ہے کیوں وکیل صاحب مَیں بچ جاؤں گا؟ وہ رشتہ داروں کی مِنتیں اور خوشامدیں کرتا ہے اور اُن سے کہتا ہے کہ جھوٹے گواہ بناؤ اور جس طرح بھی ہوسکے مجھے بچاؤ۔ دیکھو! اِن دونوں کیفیات میں کتنا فرق ہے۔

تو جسمانی نشو ونما میں بڑھاپے کے وقت جو کیفیت ہوتی ہے وہ روحانی نشو ونما میں جوانی کی حالت میں ہوتی ہے۔ روحانی جماعت پر جب جوانی کی حالت ہو اُس وقت اس میں زیادہ انکسار ہوتا ہے اور جب اس میں اضمحلال پیدا ہو اُس وقت اس کے اندر خود پسندی اور خودرائی پیدا ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جماعت کو دیکھ لو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جماعت کو دیکھ لو، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ کو دیکھ لو، سب کی یہی حالت تھی۔ جب وہ اپنے انبیاء کی صحبت میں اپنے اندر وہ قوتیں پیدا کر رہے تھے جن سے وہ دنیا کو کھا جانے والے تھے اُس وقت ان میں غیظ وغضب کے بجائے انکسار اور فروتنی پائی جاتی تھی جو جسمانی نشو ونما کے وقت میں نہیں پائی جاتی۔ وہ خدا تعالیٰ سے ڈرتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ نہ معلوم انجام کیا ہونے والا ہے۔ انہیں خدا تعالیٰ کے وعدوں پر اعتبار تھا مگر یہ ان میں تکبر اور بڑائی پیدا نہ کرتا تھا بلکہ اِس کی وجہ سے اُن کی قربانیاں بڑھتی تھیں، اُن کی زبانیں زیادہ دعوے نہیں کرتی تھیں اور اُن کے دل نڈر نہیں تھے بلکہ خدا تعالیٰ کے خوف سے بھرے ہوئے تھے اور یہی ثبوت تھا

اِس بات کا کہ وہ خدا تعالیٰ کی جماعت تھے۔ جسمانی جوانی کے وقت انسان دوسری طاقتوں کو بھُول جاتا ہے اور متکبر اور خود پسند ہو جاتا ہے لیکن روحانی طاقت جتنی بڑھتی ہے اُتنا ہی زیادہ انکسار بڑھتا ہے۔ روحانیت کی جوانی عرفان سے وابستہ ہوتی ہے اِس لئے وہ انسان کے اندر انکسار کو بڑھاتی ہے۔ اِس کا تجربہ جوانی میں بڑھتا ہے مگر جسمانی نشوونما کا تجربہ بڑھاپے میں بڑھتا ہے۔ روحانیت میں وہ کیفیتیں جوانی میں پیدا ہوتی ہیں جو جسمانیت میں بڑھاپے میں ہوتی ہیں۔ جسمانی طور پر جو شخص جوان ہو اُس کے اندر خود پسندی اور تکبر پیدا ہوتا ہے لیکن روحانی طور پر جو جماعت بوڑھی ہو جائے اُس کے اندر یہ کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں۔ جسمانی طور پر جو کمزور ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ دُنیا میں اور اثرات بھی ہیں جو دُنیا میں کام کر رہے ہیں۔ کوئی بالا طاقت ہے جو کام کر رہی ہے اور دُنیا میں جو نتائج پیدا ہو رہے ہیں وہ صرف میرے کاموں سے ہی نہیں اِس میں میرے دوستوں بلکہ دُشمنوں کا بھی دخل ہے۔ اِس میں اتفاقات کا بھی خواہ وہ صحیح ہوں یا غلط دخل ہے، سورج اور چاند کے اثرات کا بھی دخل ہے، ماحول کا بھی اثر ہے، حکومت کا بھی اثر ہے لیکن جوان اِن سب باتوں کو نظر انداز کر دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ جو مَیں چاہوں گا وہی ہو جائے گا مگر روحانی سلسلوں کی حالت اِس سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ جوانی کے وقت میں ان کی نظریں وسیع ہوتی ہیں۔ خدا تعالیٰ پر ان کا توکّل بڑھا ہوا ہوتا ہے، انہیں اپنی قوتوں کا صحیح اندازہ ہوتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری کوششوں سے کچھ نہیں ہوسکتا۔ دُنیا میں جو تغیر پیدا ہوسکتے ہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی ہو سکتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کی حالت ایسی انکساری کی تھی کہ اُن کے نفس بالکل مرے ہوئے تھے لیکن جب یزید کے وقت میں ان کے اندر اضمحلال کے اثرات پیدا ہوئے تو اُن کے مُنہ سے ایسے ایسے اقوال سُننے میں آئے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ کبھی کبھی روحانی جماعتوں میں بھی ایسے دَورے ہوتے ہیں مگر وہ عارضی ہوتے ہیں۔ مکّہ کے لوگ اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے تھے اِس لئے اُن پر ابھی روحانی لحاظ سے جوانی نہ آئی تھی اور وہ اِس سے کورے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جنگ پیش آ گئی اُنہوں نے کہا کہ ہم بھی اِس میں شریک ہوں گے اور بتائیں گے کہ ہم کیسے بہادر ہیں لیکن جب جنگ شروع ہوئی اور دُشمن نے دو طرف سے تیر برسانے شروع کئے تو وہ

سر پر پاؤں رکھ کر ایسے بھاگے کہ اُن کو پتہ ہی نہ رہا کہ کدھر جا رہے ہیں؟ اُن کے بھاگنے کی وجہ سے صحابہ کے اونٹ اور گھوڑے بھی ڈر کر ایسے بھاگے کہ بے قابو ہو گئے اور اِس لئے صحابہ بھی بغیر ارادہ کے بھاگنے لگے۔[1] یہ نظارہ اللہ تعالیٰ نے اِس لئے دکھایا کہ تا بتائے کہ روحانی جوانی اور بڑھاپے میں کیا فرق ہے؟ نئے داخل ہونے والوں میں بڑ مارنے کی عادت تھی مگر صحابہ میں یہ بات نہ تھی۔ مُنہ کی بکواس اُن لوگوں میں ہوتی ہے جن میں روحانی جوانی نہیں ہوتی۔ ایسے ہی لوگوں میں اپنی طاقت پر گھمنڈ اور غرور ہوتا ہے۔

پس ہماری جماعت میں سے ہر شخص انفرادی طور پر اِس معیار کے مطابق اپنی ایمانی حالت کا اندازہ کر سکتا ہے جو دیکھے کہ اس کے اندر غرور اور تکبّر ہے، وہ سمجھ لے کہ اُس کی روحانیت کمزور ہے اور اُس پر بڑھاپے کی کیفیت ہے۔ بڑھاپے میں عقل خراب ہو جاتی ہے، جسمانیت میں بعض اوقات ایسے بوڑھے لوگ بھی جن کے ہاتھ رعشہ سے کانپ رہے ہوتے ہیں، طاقت بالکل جواب دے چکی ہوتی ہے مگر غصّہ آتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم بتا دیں گے، ہڈیاں چبالیں گے۔ حالانکہ ان سے کھڑا بھی نہیں ہوا جاتا۔ یہ جنون کی حالت ہے جس کے اندر یہ حالت پیدا ہو وہ سمجھ لے کہ اُس کے اندر روحانی زندگی باقی نہیں۔ جس کے اندر زندگی موجود ہو وہ کام کیا کرتا ہے، زبانی دعوے نہیں کیا کرتا۔ اس کے اندر انکسار ہوتا ہے وہ اپنی طاقت اور اُس کی حدود کو سمجھتا ہے، وہ جانتا ہے کہ جو کچھ کرنا ہے اللہ تعالیٰ نے ہی کرنا ہے میرے اندر جو طاقت ہے وہ بھی دراصل اللہ تعالیٰ کی طاقت کا انعکاس ہے۔ کیا پتہ ہے کہ اگر مَیں کام کرنے لگوں تو اللہ تعالیٰ اپنا مُنہ مجھ سے پھیر لے اور مَیں اُس کے مقابل نہ رہوں۔ اِس لئے وہ کبھی گھمنڈ اور غرور نہیں کرتا کیونکہ گھمنڈ اپنی چیز پر ہوتا ہے لیکن جو سمجھتا ہے کہ جو کچھ ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے وہ گھمنڈ کیسے کر سکتا ہے؟

پس مومن کو ہمیشہ جھوٹے وعدوں سے بچنا چاہئے کہ یہ قوم کی تباہی کا موجب ہوتے ہیں۔ اِن کی وجہ سے بسا اوقات قوم ایسا اقدام کر بیٹھتی ہے کہ جو اِس کی طاقت سے باہر ہوتا ہے۔ ایسے لوگ ہمیشہ کام کو خراب کرنے والے ہوتے ہیں۔ مَیں نے ہمیشہ دیکھا ہے کہ مجلس شوریٰ کے موقع پر یا جب میں تحریک جدید کا اعلان کرتا ہوں تو بعض لوگ ایسے وعدے کر دیتے ہیں

اور ایسے ایسے دعوے کرتے ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔

ایک دفعہ مجلس شوریٰ میں ایک شخص نے تقریر کی کہ جماعت میں فلاں فلاں کمزوریاں پائی جاتی ہیں ہمیں ان کا اِس اِس طرح مقابلہ کرنا چاہئے۔ ہمیں یہ کرنا چاہئے، وہ کرنا چاہئے۔ اُس وقت اس جماعت کے جس کا وہ فرد تھا ایک بزرگ وہاں بیٹھے تھے اُس شخص کے بعض سوالات تھے جن کے متعلق مَیں نے اس بزرگ سے پوچھا تو اُنہوں نے بتایا کہ اس شخص نے چھ سال سے کوئی چندہ نہیں دیا۔

تو ایسے دعوے ایمانی کمزوری کی علامت ہوتے ہیں۔ حضرت خلیفہ اوّل طب کے متعلق ایک لطیفہ سُنایا کرتے تھے کہ ایک مشہور طبیب کے پاس ایک دفعہ ایک بوڑھا شخص آیا اور اُس نے کہا کہ مجھے کھانسی کی شکایت ہے۔ وہ شخص بہت بوڑھا تھا۔ ایسا بوڑھا جسے گور کے کنارے کہا جاتا ہے۔ طبیب نے اُسے کہا کہ آپ کی یہ کھانسی عمر کا تقاضا ہے کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اب اُس کی کھانسی کے علاج کا وقت نہیں۔ اِس پر اُس نے کہا کہ کچھ حرارت بھی رہتی ہے۔ طبیب نے کہا یہ بھی تقاضائے عمر ہے۔ اُس نے کہا کہ قبض بھی رہتی ہے۔ طبیب نے کہا کہ یہ بھی عمر کا تقاضا ہے۔ پھر اُس نے کہا کہ مجھے کھانا نہیں ہضم ہوتا اور اِس پر بھی طبیب نے یہی کہا کہ یہ بھی عمر کا تقاضا ہے۔ اِس نے کہا نیند نہیں آتی اور طبیب نے پھر یہی کہا کہ یہ بھی عمر کا تقاضا ہے۔ اس نے اِسی طرح پانچ سات بیماریاں بتائیں اور طبیب نے ہر ایک کے متعلق یہی جواب دیا۔ اِس پر بوڑھا بے تحاشا گالیاں دینے لگا اور کہنے لگا کہ بڑے طبیب بنے پھرتے ہو طبیب عقلمند تھا اُس نے اُن گالیوں پر بھی یہی جواب دیا کہ یہ بھی تقاضائے عمر ہے۔ تو اِس قسم کی حالتیں انسانی کمزوری کی دلیل ہوتی ہیں۔ مُنہ کے دعوے اپنے اندر کوئی خوبی نہیں رکھتے۔ ایسے دعووٴں سے بسا اوقات لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ بڑا مفید وجود ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ حقیقتاً ایسے دعوے کمزوری کی علامت ہوتے ہیں طاقت کی علامت نہیں۔ اِس بوڑھے کا حکیم کو گالیاں دینا اِس کی کسی طاقت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ بڑھاپے کی کمزوری کی وجہ سے تھا۔ روحانی جماعتوں میں جو لوگ ایسے دعوے کرتے ہیں اُن میں بھی روحانی طور پر بڑھاپا ہوتا ہے یا پھر اُن پر جوانی آئی ہی نہیں ہوتی۔ وہ ہمیشہ بچے ہی رہتے ہیں۔ بعض لوگ ہمیشہ بچّے ہی رہتے ہیں اور اُن پر جوانی آتی ہی نہیں

اور بعض بوڑھے ہو چکے ہوتے ہیں اِس لئے اللہ تعالیٰ نے غَیْرِالْمَغْضُوْبِ [۲] کی دُعا سکھائی ہے کہ یا اللہ روحانی جوانی آنے کے بعد پھر بڑھاپا نہ آئے۔ کیونکہ جو اچھے دن دیکھ چُکا ہو اُس کے لئے خرابی کے دن بہت تکلیف کا موجب ہوتے ہیں۔ اِسی طرح خدا تعالیٰ سے ایک دفعہ تعلق ہونے کے بعد اِس سے دوری بہت زیادہ افسوس کا موجب ہوتی ہے۔ مجھے جماعت کے ایک آدمی کا علم ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت اچھا مخلص تھا اور قربانی کا بھی اِسے موقعہ مِلا مگر اِس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی شامت مقدر تھی اور اِس نے آخری زمانہ میں چندہ بلکہ نمازیں بھی چھوڑ دیں اور اگر کوئی نصیحت کرتا تو کہتا کہ ہم نے بڑی قُربانیاں کی ہیں اب کوئی ضرورت نہیں۔ تو یہ رُوحانی بڑھاپا ہوتا ہے اور زبانی دعوے کرنے والے دراصل اپنی روحانی کمزوری کا اظہار کرتے ہیں۔ مومن جو کچھ مُنہ سے کہتا ہے اُس سے زیادہ کر کے دکھاتا ہے مگر مَیں نے دیکھا ہے کہ مجلس شوریٰ یا تحریک جدید میں بعض لوگ بڑی بڑی باتیں بناتے ہیں مگر بعد میں ایسے خاموش ہو جاتے ہیں کہ کوئی وجہ بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ بعض تو بے شک اخلاص سے جو قُربانی کرنی ہوتی ہے کر دیتے ہیں اور جو وعدہ کرتے ہیں اُس کے ایسے پابند ہوتے ہیں کہ یاد دہانی کی بھی ضرورت نہیں ہوتی لیکن بعض زبانی دعوے تو بہت کرتے ہیں لیکن انہیں پورا نہیں کرتے۔

پس مومن کو چاہئے کہ اپنے نفس کا مطالعہ کرتا رہے اگر تو اُس کے زبانی دعوے زیادہ ہیں اور عمل سُست ہے تو وہ سمجھ لے کہ روحانی بڑھاپا شروع ہو چکا ہے یا جوانی آئی ہی نہیں اور ایسے لوگ یاد رکھیں کہ وہ جماعت کی طاقت کا موجب نہیں ہوتے بلکہ اُس کی کمزوری کا موجب ہوتے ہیں۔ ہر سال مجلس شوریٰ اور تحریک جدید کے اعلان کے موقع پر مَیں نے تجربہ کیا ہے کہ کچھ لوگ زبانی دعوے تو بہت کرتے ہیں مگر عمل میں بہت کمزوری دکھاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے دعووں کی وجہ سے بسا اوقات اندازے غلط ہو جاتے ہیں۔ مجلس شوریٰ جب ختم ہوتی ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اب تمام مالی مُشکلات دُور ہو جائیں گی مگر اُن کے جانے کے بعد کچھ پتہ ہی نہیں رہتا کہ وہ وعدے کہاں گئے؟ اور وعدے کرنے والے کہاں گئے؟ اِسی طرح تحریک جدید میں مَیں دیکھتا ہوں ایک بڑا حصّہ تو بے شک اپنے وعدوں کو پورا کرنے والا ہے

لیکن ایک حصّہ ایسا بھی ہے جو اپنے وعدوں کو پورا نہیں کرتا اور وعدہ کرنے کے بعد ایسا خاموش ہو جاتا ہے کہ گویا اُس نے کوئی وعدہ کیا ہی نہ تھا اور جب مَیں سیکرٹریوں سے پوچھتا ہوں تو وہ کہتے ہیں کہ دس دس خط لکھے ہیں لیکن کسی کا جواب نہیں آیا۔ جب مَیں دوبارہ اعلان کرتا ہوں تو پھر ان کی چٹھیاں آنے لگتی ہیں کہ ہمارا وعدہ قبول کر لیا جائے اور گزشتہ وعدوں کے متعلق بعض تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم سے کسی نے مانگا ہی نہیں یا بعض کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں کسی نے یاد نہیں کرایا، بعض کہتے ہیں کہ پچھلی مرتبہ بڑی غلطی ہوگئی اب ہم پچھلا بھی پورا کریں گے اور اِس سال کا بھی۔ حالانکہ جب مَیں کہتا ہوں کہ جو چاہے وعدہ کرے اور جو چاہے نہ کرے تو خواہ مخواہ گنہگار بننے کی کیا ضرورت ہے؟ مگر وہ وعدہ کرتے وقت تو کہتے ہیں کہ اگر یہ قبول نہ کیا گیا تو ہم صدمہ سے ہی مَر جائیں گے اور اِس قدر اِصرار کرتے ہیں کہ ہم بھی دھوکے میں آجاتے ہیں اور خیال کر لیتے ہیں کہ شاید اِن کے اندر ندامت پیدا ہو چکی ہے مگر اگلے سال پھر وہی حالت ہوتی ہے۔ ایسے لوگ ساری زندگی وعدہ کرنے میں ہی سمجھتے ہیں ان کے پورا کرنے میں نہیں۔ تو مَیں دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ صرف وعدے کرنا اور جُوش دکھانا روحانی بڑھاپے کی علامت ہے یا اِس امر کی کہ ان پر جوانی آئی ہی نہیں بلکہ بچپن ہی کا زمانہ لمبا ہو رہا ہے اور اِس حالت پر ان کو خوش نہیں ہونا چاہئے۔ قُربانی کے مطالبہ پر ان کے اندر ایک جوش پیدا ہوتا ہے اور وعدے کر لیتے ہیں مگر پورا کرنے کے وقت کئی مُشکلات اُن کے سامنے آجاتی ہیں۔ یہ خطرناک علامت ہے اور اِس بات کا ثبوت ہے کہ وہ بیمار ہیں انہیں چاہئے کہ اپنا علاج کریں ورنہ ایسے گڑھے میں گریں گے کہ جہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی اور اگرچہ ان کی طبیعت میں جوش تو آتا ہے مگر وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں ایسی بات کہنی چاہئے جسے پورا کر سکیں اور پھر جب وعدہ کر لیتے ہیں تو خواہ کیسی مُشکلات پیش آئیں اُسے پورا کر کے چھوڑتے ہیں۔ تو سمجھ لیں کہ ان کے اندر روحانیت موجود ہے جسے بڑھانے سے وہ اِس مقام پر پہنچ سکتے ہیں کہ جہاں پہنچ کر انسان کا اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہو سکتا ہے۔

اِس سال مَیں جماعت کو خاص طور پر توجہ دلاتا ہوں آج مجلس شوریٰ کا آغاز ہوگا اور انہیں یہ بات مدّ نظر رکھنی چاہئے کہ جیسا کہ مَیں پہلے بھی کہہ چُکا ہوں یہ ایک دو سال جماعت پر

خاص بوجھ کے ہیں۔ اِس لئے دوستوں کو خاص طور پر قُربانی کرنی چاہئے اور اِس کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ عورتوں اور بچوں میں جلسے کئے جائیں اور اُن کو سلسلہ کی ضروریات اور مُشکلات بتا کر اپنا ہم خیال بنایا جائے کیونکہ جب تک وہ ہم خیال نہ ہوں گے دوست اپنے وعدے پورے اور اپنے فرض ادا نہیں کرسکیں گے۔ مجھے سخت تعجب ہے کہ گو تحریک جدید کا یہ دَور نہایت اہم تھا اور ایک ایسا دَور تھا جس میں نئی زندگی کی بنیاد رکھی جارہی تھی اور اِس مضمون کو مَیں نے اچھی طرح واضح کردیا تھا مگر میرے تعجب کی کوئی حد نہ رہی جب مَیں نے دیکھا کہ وعدوں پر چار ماہ گزرنے کے باوجود اب تک صرف سولہ ہزار روپیہ وصول ہؤا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ صرف چار ہزار روپیہ ماہوار آرہا ہے حالانکہ وعدے ایک لاکھ چھبیس ہزار کے ہیں اور ابھی بیرونی ممالک کے وعدے آئے نہیں جنہیں مِلا کر اُمید ہے کہ ایک لاکھ تیس ہزار کے وعدے ہوجائیں گے مگر اِس وقت تک وصول صرف سولہ ہزار ہؤا ہے حالانکہ سال کا تیسرا حصّہ گزر چُکا ہے۔ مجھے معلوم ہؤا ہے کہ جماعتیں کہتی ہیں کہ اِس وقت خلافت جوبلی فنڈ اور بجٹ پورا کرنے کی طرف متوجہ ہیں مگر جب مَیں نے بجٹ کے اعداد وشمار منگوا کر دیکھے تو معلوم ہؤا کہ ۳۰؍مارچ کو ختم ہونے والے ہفتہ میں ساڑھے تین ہزار کی آمد ہوئی ہے جس میں گزشتہ سال کی نسبت تین ساڑھے تین ہزار کی کمی ہے اور جوبلی فنڈ میں گزشتہ ماہ میں صرف پانچ ہزار کی آمد ہوئی ہے اور اِس میں سے اگر وہ تین ہزار نکال دیئے جائیں جو چندہ میں سے کم ہیں تو گویا جوبلی فنڈ کی وصولی دو ہزار کی رہ جاتی ہے اور اِسے اگر تحریک جدید کی آمد میں کمی کے مقابلہ پر رکھا جائے تو اِس کے یہ معنی ہوں گے کہ جماعت نے آٹھ دس ہزار روپیہ کم دیا ہے اور کہہ یہ دیا کہ ہم وصولی کررہے ہیں اور کام میں لگے ہوئے ہیں لیکن کام یہ کیا ہے کہ ایک مدّ میں کمی کرکے دوسری میں دے دیا۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے کہ کوئی شخص ایک جیب سے نکال کر دوسری میں ڈال دے۔

مَیں نے آج سے چار سال پہلے بھی یہ بتایا تھا کہ عورتوں اور بچوں کی مدد کے بغیر یہ قُربانی نہیں کی جاسکتی۔ جب تک وہ کفایت شعاری اور سادہ زندگی کا وعدہ نہ کریں کبھی کامیابی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اَٹھنّی میں سے روپیہ نکالنے کا تو کوئی گُر نہیں بنایا۔ آٹھ آنہ میں سے آٹھ آنہ خرچ کرکے بھی کوئی شخص اگر یہ چاہے کہ دو آنہ کسی اور کو بھی دے دے تو وہ کبھی

کامیاب نہیں ہوسکتا۔ کسی کو دو آنے دینے والا جب تک اپنے خرچ میں کمی کر کے اُسے چھ آنہ پر نہیں لے آتا اپنے وعدہ کو پورا نہیں کرسکتا اور آٹھ آنہ میں سے آٹھ آنہ ہی خرچ کرنے کے بعد بھی جو کسی کو دو آنہ دینے کا وعدہ کرتا ہے وہ جھوٹا اور فریبی ہے مخلص نہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کو بھی اور سلسلہ کو بھی دھوکا دیتا ہے۔ پس قُربانی کے لئے یہ امر اشد ضروری ہے کہ عورتوں اور بچوں کو اپنا ہم خیال بنایا جائے۔ مَیں نے اِس امر کی طرف کئی بار توجہ دلائی ہے مگر افسوس کہ اِس طرف توجہ نہیں کی گئی بلکہ ان کو یہ تحریک پہنچائی ہی نہیں گئی۔ حتّٰی کہ اِس سال ایک اچھی بڑی اور مخلص جماعت کی عورتوں نے حلفیہ بیان کیا کہ پچھلے سالوں میں ہمارے مردوں نے ہمیں بتایا ہی نہیں کہ ایسی تحریک جاری ہے۔ یہ اچھی بڑی جماعت ہے اور سَو ڈیڑھ سَو افراد پر مشتمل ہے مگر اِس کی عورتوں نے حلفاً بیان کیا ہے کہ انہیں اِس تحریک سے آگاہ ہی نہیں کیا گیا۔ تو جو لوگ ایسے سُست ہوں وہ کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں؟ کامیابی اِسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ عورتیں اور بچے ہمارے ہم خیال ہوں۔ جب تک ہمیں پیچھے کھینچنے والی کوئی چیز ہے ہم آگے کس طرح جاسکتے ہیں۔ ہم جب آگے قدم اُٹھائیں گے ہمارے بیوی بچے پیچھے سے کھینچیں گے کہ اِدھر آؤ مگر افسوس ہے کہ میری اِس تجویز پر عمل نہیں کیا گیا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے دوست ایسی گھبراہٹ میں ہیں کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ اگر وہ وعدے کریں تو مُشکل ہے اور نہ کریں تو مُشکل ہے۔ حالانکہ یہ سب باتیں مَیں نے شروع میں ہی بتا دی تھیں اور اِس بات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے بتائی تھیں کہ آئندہ ہمارے لئے قُربانیوں کا وقت آنے والا ہے اور اِسی لئے مَیں نے امانت کی بھی تحریک کی تھی اور جن لوگوں نے اِس پر عمل کیا۔ وہ اپنے وعدے اچھی طرح پورے کر سکے ہیں۔ مَیں جانتا ہوں کہ ایک غریب دوست نے جن کی آمد بارہ چودہ روپیہ ماہوار سے زیادہ نہیں سَو روپیہ چندہ دے دیا اور یہ اس طرح کہ وہ ہر ماہ تین روپیہ امانت فنڈ میں جمع کراتے گئے اور اِس طرح چار سال میں سَو سے اوپر روپیہ جمع کرلیا اور اب بھی کئی لوگ جو امانت فنڈ میں روپیہ جمع کراتے رہے چندے آسانی سے ادا کرنے کے قابل ہوگئے ہیں جبکہ ان سے کئی گُنا زیادہ تنخواہیں پانے اور آمد رکھنے والے ابھی اِدھر اُدھر دیکھ رہے ہیں۔ کئی دوستوں نے مجھے لکھا ہے کہ ہم دس دس اور پندرہ پندرہ سال سے مکان بنانا چاہتے تھے مگر

نہ بنا سکے تھے لیکن اب اِس تحریک کے ذریعہ مکان بنانے کے قابل ہو گئے ہیں۔تو چندوں کی ادائیگی میں آسانیوں کے علاوہ اِس کے اور بھی فوائد تھے لیکن دوستوں نے اِس کی طرف پوری توجہ نہیں کی اور خیال کر لیا کہ وقت پر کچھ نہ کچھ انتظام ہو ہی جائے گا اور خدا تعالیٰ کوئی نہ کوئی صورت پیدا کر دے گا لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ بھی اُنہی کی مدد کرتا ہے جو خود اپنی مدد کرتے ہیں۔جو تلعُّب کرتا ہے خدا تعالیٰ اُس کی مدد کبھی نہیں کرتا۔پس مَیں جماعت کو پھر توجہ دلاتا ہوں کہ غلط وعدے نہ کیا کریں اور دوسرے آج کا کام کل پر کبھی نہ چھوڑا کریں۔یہ نہایت ہی خطرناک بات ہے۔بعض لوگ خیال کر لیتے ہیں کہ کل کر دیں گے مگر وہ کل کبھی نہیں آتا اور چندہ ادا ہی نہیں ہوتا۔ابھی پچھلے سال کے وعدوں میں سے بارہ ہزار کے قریب قابلِ ادا ہیں۔حالانکہ مارچ ختم ہو چُکا ہے اور اپریل شروع ہے اور یہ بقایا معافیوں کو نکال کر ہے۔نیز ان وعدوں کو نکال کر جن کے کرنے والے فوت ہو چکے ہیں۔ورنہ یہ رقم بہت بڑھ جاتی ہے۔جس رفتار سے اب گزشتہ سال کے وعدے پورے ہو رہے ہیں اس سے تو دو تین سال میں بھی یہ بقایا پورا ہونا مُشکل ہے۔آجکل گزشتہ بقایا کی آمد دس پندرہ روپیہ روزانہ کی ہے اور کسی دن کچھ بھی نہیں ہوتی۔اِس حساب سے یہ وعدے دو تین سال میں بھی پورے ہونے مُشکل ہیں اور اِس کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ آخر میں ادا کر دیں گے حالانکہ بقایا ہمیشہ ان لوگوں کے ذمہ ہی رہتا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ آخر میں دے دیں گے۔مَیں نے یہ واقعہ پہلے بھی کئی دفعہ سُنایا ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگ پر جانے کا اعلان فرمایا تو ایک صحابی نے جو مالدار تھے خیال کیا کہ مَیں مالدار ہوں تیاری جب چاہوں گا کرلوں گا۔آخر کوچ کا دن آ گیا اور اُنہوں نے دیکھا کہ سامان تیار نہیں تو پھر دل کو تسلی دے لی کہ مَیں کل تیاری کر کے جاملوں گا مگر دوسرے دن اور مُشکل پیش آ گئی اور بات تیسرے دن پر جا پڑی۔تیسرے دن تیار ہؤا تو اُدھر آنے والے قافلوں سے معلوم ہؤا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کئی کئی منزلوں کا کوچ کرتے ہوئے دور تک نکل گئے ہیں اور اب آپ سے ملنا ناممکن ہے اور وہ سفر سے رہ گئے اور اِس وجہ سے وہ اِس سزا کے مستحق ہوئے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں غیر معمولی تھی۔یعنی اِن کا مقاطعہ ہؤا۔حتّٰی کہ ان کی بیوی کو بھی ان سے کلام کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔

اِس کی تفصیل یہ ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو جواب طلبی کے لئے اُن کو بُلایا۔ وہ کہتے ہیں کہ پہلے میرے نفس نے مجھے دھوکا دینا چاہا اور مَیں نے خیال کیا کہ کوئی بہانہ بنا دوں مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو اُن لوگوں سے جو پہلے سے وہاں موجود تھے دریافت کیا کہ مجھ سے پہلے کن کن لوگوں کی جواب طلبی ہو چکی ہے؟ اُنہوں نے بتایا کہ فلاں فلاں کی۔ اُنہوں نے پوچھا کہ پھر اُن سے کیا سلوک ہوا ہے؟ اُنہوں نے بتایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن میں سے دو کو تو ٹھہرالیا اور فرمایا ہے کہ تمہارا فیصلہ بعد میں ہو گا اور باقیوں کے لئے ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے۔ وہ صحابی کہتے ہیں کہ جن کو ٹھہرایا گیا تھا وہ مومن تھے اور جن سے فرمایا کہ جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے وہ منافق تھے۔ اِس پر مَیں نے کہا کہ خواہ کوئی سزا ملے مَیں اپنے آپ کو منافقوں میں شامل نہیں کروں گا۔ اِس لئے مَیں نے جا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اقرار کر لیا کہ میرا قصور ہے اور مجھ سے سُستی ہوئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بھی فرمایا کہ ٹھہرو تمہارا فیصلہ بعد میں کیا جائے گا۔ پھر آپ نے مسلمانوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ کوئی شخص ان سے کلام نہ کرے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد اس حُکم کو اَور بھی سخت کر دیا اور فرمایا کہ ان کی بیویاں بھی اِن سے کلام نہ کریں اور ظاہر ہے کہ ایک ایسے شہر میں جہاں مسلمان ہی مسلمان بستے تھے یہ سزا کتنی بڑی سزا تھی۔ مدینہ میں یہودی بھی تھے مگر اُن کی بستیاں مدینہ سے کچھ فاصلہ پر الگ تھیں۔ یہ صحابی بیان کرتے ہیں کہ مَیں اپنے ایک رشتہ دار کے پاس گیا جو میرا چچیرا بھائی تھا اور ہماری باہمی محبت بہت زیادہ تھی حتّٰی کہ کھانا بھی اکٹھا ہی کھایا کرتے تھے۔ مَیں اُن کے پاس گیا وہ باغ میں کام کر رہے تھے۔ مَیں وہاں گیا اور جا کر کہا کہ مجھے جو سزا ملی ہے وہ تو ملی ہی ہے مگر تم یہ تو جانتے ہی ہو کہ مَیں منافق نہیں ہوں اور جو کچھ ہوا ہے غلطی سے ہوا ہے لیکن بجائے اِس کے کہ وہ مجھے کوئی جواب دیتا اُس نے آسمان کی طرف مُنہ اُٹھا کر کہا اللہ اور اُس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ یہ دیکھ کر مجھ پر ایک جنون کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور مَیں وہاں سے چلا آیا۔ دروازہ کی طرف جانے کا بھی خیال نہ رہا اور دیوار سے کُود کر ہی باہر آ گیا اور شہر کی طرف آیا۔ ابھی شہر میں داخل ہو رہا تھا کہ ایک شخص نے کسی اجنبی کو میری طرف اشارہ کر کے بتایا وہ اجنبی میرے پاس آیا اور

مجھے ایک خط دیا۔ مَیں نے کھولا تو وہ غسّان قبیلہ کے بادشاہ کا تھا اور اُس میں لکھا تھا کہ تم اپنی قوم کے بڑے معزز آدمی ہو اور مَیں نے سُنا ہے کہ تمہارے سردار محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمہارے ساتھ بُرا سلوک کیا ہے اور بے عزتی کی ہے۔ دراصل وہ شریفوں سے سلوک کرنا جانتے ہی نہیں تم میرے پاس آ جاؤ اور یہاں تمہاری شان کے مطابق تم سے سلوک کیا جائے گا۔ مَیں نے اپنے نفس سے کہا کہ یہ شیطان کی طرف سے آخری امتحان ہے۔ پاس ایک تنور جل رہا تھا مَیں نے وہ خط اُس میں ڈال دیا اور اُس سے کہا کہ جا کر اپنے آقا سے کہہ دینا کہ تمہارے خط کا یہ جواب ہے۔ ان کی شاید یہی ادا اللہ تعالیٰ کو پسند آ گئی، رات کو سوئے، سویرے اُٹھے، نماز پڑھنے گئے اور پڑھ کر واپس آ گئے۔ ان سے کوئی بولتا تو تھا نہیں اِس لئے نماز کے بعد مسجد میں بیٹھنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو الہام ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کی سزا معاف کر دی۔ فجر کی نماز کے بعد آپ بیٹھ گئے اور اِن تین سزا یافتوں کے متعلق دریافت فرمایا کہ کیا وہ موجود ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ فلاں ہے اور فلاں نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ رات مجھے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اِن تینوں کو اس نے معاف کر دیا۔ یہ سُنتے ہی ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر اِن کی طرف دوڑ پڑا کہ خوشخبری سُنائے مگر ایک اور زیادہ ہوشیار نِکلا۔ پاس ہی ایک ٹیلہ تھا اُس نے اُس پر چڑھ کر زور سے آواز دی کہ مالک تم کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا۔[۳] ان کی غلطی منافقت کی وجہ سے نہ تھی اِس لئے توبہ بھی ایسی کی کہ کہا مجھ سے یہ غلطی مال کی زیادتی کی وجہ سے ہوئی تھی اِس لئے اللہ تعالیٰ مجھے معاف کرے گا۔ مَیں اپنا سارا مال اس کی راہ میں دے دوں گا اور اِس دیانت کے ساتھ اِس وعدہ کو نباہا کہ جب معافی کی آواز آئی تو آپ نے کہا کہ مَیں یہ خوشخبری سُنانے والے کو کپڑوں کا ایک جوڑا تحفہ کے طور پر دوں گا۔ جیسا کہ ہمارے مُلک میں کہتے ہیں کہ مُنہ میٹھا کراؤں گا مگر بعد میں خیال آیا کہ مَیں نے تو سارا مال خدا تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرنے کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ اِس لئے اِسے کپڑوں کا جوڑا کسی دوست سے قرض لے کر دیا اور کہا کہ مَیں دوبارہ کما کر یہ قرض ادا کر دوں گا لیکن اپنے سابق مال میں سے نہ دیا کیونکہ وہ سب کا سب خدا تعالیٰ کی راہ میں دے چکے تھے۔ تو ان کو یہ سزا محض اِس لئے برداشت کرنی پڑی کہ اُنہوں نے خیال کر لیا کہ مَیں کل چلا جاؤں گا۔ اگر وہ پہلے ہی دن چلے جاتے

تو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور ثواب حاصل کر سکتے تو بہت سے لوگ اِس لئے محروم رہ جاتے ہیں کہ وہ خیال کر لیتے ہیں کہ کل کر لیں گے۔ حالانکہ کون کہہ سکتا ہے کہ کل موقع ملے یا نہ ملے۔ اِس لئے جب بھی موقع ملے فوراً اِس سے فائدہ اُٹھانا چاہئے۔ پس مَیں دوستوں کو پھر توجہ دلاتا ہوں کہ وعدے سوچ کر کیا کریں اور جب وعدہ کیا کریں تو اُس کے پورا کرنے میں دیر نہ کیا کریں۔ نماز کے بعد اب وہ شوریٰ میں بیٹھیں گے پھر بجٹ پیش ہوگا اور پھر کئی کہیں گے کہ یہ کیا مُشکل ہے؟ مگر اِس کے بعد وہ چُپ چاپ گھروں کو چلے جائیں گے اور اِس کے پورا کرنے کے لئے کوئی حقیقی جدوجہد نہ کریں گے۔

اِس کے علاوہ تحریک جدید کے متعلق بھی مَیں پھر توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اِس سے سلسلہ کی ترقی اور اشاعت کی ایک عظیم الشان بنیاد رکھی جا رہی ہے اور جو اِس میں حصّہ لیں گے وہ ہمیشہ کے لئے عظیم الشان ثواب کے مستحق ہوں گے۔ اِس لئے اِس کے وعدوں کو بھی پورا کریں لیکن یہ یاد رکھیں کہ جب تک عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ ملایا جائے گا قُربانی مُشکل ہے۔ اِس لئے ضرورت ہے کہ اِن کو بھی واقف کیا جائے تا وہ تمہارا ہاتھ بٹا سکیں اور ہر فرد کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ جلد از جلد وعدہ پورا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ کل پر ڈال دیا جائے اور اِس طرح یہ کبھی بھی پورا نہ ہو سکے۔ نیت اور ارادہ کی ضرورت ہے۔ اگر یہ ہو تو پھر شوریٰ بھی بابرکت ہو سکتی ہے اور تحریک جدید بھی مُفید نتائج کا باعث بن سکتی ہے۔ مومن کی نیت خدا تعالیٰ کے فضلوں کو جذب کرنے کا موجب ہوتی ہے۔ پس دل میں پختہ ارادہ کر لو کہ اللہ تعالیٰ مومن کے ارادوں کے پورا ہونے کے سامان خود بخود کر دیتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک دفعہ ایک مقدمہ پیش ہوا۔ ایک عورت سے دوسری کا دانت ٹوٹ گیا تھا جس سے دانت ٹوٹا وہ ایک مخلص اور قُربانی کرنے والی عورت تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سفارش کی اور دوسرے شخص سے جو اپنی پھوپھی کی طرف سے پیروی کر رہا تھا فرمایا کہ اِسے معاف کر دو۔ مگر اِس نے کہا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! ہماری پھوپھی کا دانت توڑا گیا ہے ہم صبر نہیں کر سکتے جب تک توڑنے والی کا دانت نہ توڑا جائے۔ ہاں اگر آپ حکم دیں تو علیحدہ بات ہے ہم مان لیں گے مگر آپ نے فرمایا کہ نہیں مَیں حکم نہیں دیتا۔ یہ بات سُن کر دوسری عورت کا بھتیجا جو اُس کی طرف سے

پیروی کر رہا تھا جوش میں آ گیا اور کہنے لگا خدا کی قسم میری پھوپھی کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ اس کے مُنہ سے یہ الفاظ ایسے جُوش، یقین اور توکل کے ساتھ نکلے کہ دوسرے فریق کے دل میں گھر کر گئے۔ وہ کانپ گئے اور کہا یَا رَسُولَ اللہ! ہم معاف کرتے ہیں۔ یہ الفاظ کہنے والا غریب آدمی تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کے بال بکھرے ہوئے ہوتے ہیں، کپڑے پھٹے ہوتے ہیں، جسم گرد آلود ہوتا ہے مگر جب وہ خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کوئی بات کہہ دیں تو خدا تعالیٰ اسے ضرور پورا کر دیتا ہے[4] تو دیکھو یہ کتنا بڑا تصرف ہے کہ جو بات وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے ماننے پر آمادہ نہ ہوئے وہ اُس کے مُنہ سے یہ الفاظ نکلنے پر کہ خدا کی قسم میری پھوپھی کا دانت نہیں توڑا جائے گا مان گئے۔ نہ معلوم یہ الفاظ کس توکل اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کی بنا پر اور یقین کے ساتھ کہے گئے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت بھی جوش میں آ گئی اور اُس نے کہا کہ جب میرے بندے نے میری قسم کھا کر کہا ہے کہ میری پھوپھی کا دانت نہیں توڑا جائے گا تو مَیں بھی یہی کہتا ہوں کہ نہیں توڑا جائے گا اور جب خدا تعالیٰ کوئی بات کہے تو کس کی طاقت ہے کہ انکار کرے۔ اِس لئے دوسرے فریق نے بھی کہہ دیا کہ مَیں نے معاف کیا۔ تو مومن کی نیت بہت بڑی چیز ہے۔ پس اگر تم مومن ہو تو ایک پختہ عزم اور ارادہ اپنے اندر پیدا کرو پھر دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا فضل نازل ہوگا کہ تمام مُشکلات خود بخود دُور ہو جائیں گی۔ تمہارے ارادوں کو پورا کرنے کے لئے یا تو وہ نئے سامان پیدا کر دے گا یا پھر تمہارے حوصلے بڑھا دے گا اور تمہارا مقصد دونوں طرح حل ہو جائے گا۔ ایک بھوکے شخص کی تکلیف دور کرنے کے دو ہی علاج ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ اُس کی بھوک اُڑا دی جائے اور دوسرے یہ کہ اُسے کھانا دے دیا جائے۔ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کا آخری سال تھا یا آپ کے بعد خلافت اولیٰ کا کوئی رمضان تھا۔ بہرحال موسم کی گرمی کے سبب یا اِس لئے کہ مَیں سحری کے وقت پانی نہ پی سکا تھا مجھے ایک روزہ میں شدید پیاس محسوس ہوئی تھی کہ مجھے خوف ہوا کہ مَیں بے ہوش ہو جاؤں گا اور دن غروب ہونے میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا۔ مَیں نڈھال ہو کر ایک چارپائی پر گر پڑا اور مَیں نے کشف میں دیکھا کہ کسی نے میرے مُنہ میں پان ڈالا ہے۔ مَیں نے اُسے چُوسا تو سب پیاس جاتی رہی۔

چنانچہ جب وہ حالت جاتی رہی تو مَیں نے دیکھا کہ پیاس کا نام ونشان بھی نہ باقی رہا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اِس طریق سے میری پیاس بجھا دی اور جب پیاس بُجھ جائے تو پانی پینے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ غرض تو یہ ہوتی ہے کہ ضرورت پوری کر دی جائے خواہ مناسب سامان مہیا کر کے ہو خواہ اِس سے استغناء کی حالت پیدا کر کے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایک شخص نے لکھا کہ دُعا کریں فلاں عورت کے ساتھ میرا نکاح ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم دُعا کریں گے مگر نکاح کی کوئی شرط نہیں، خواہ نکاح ہو جائے خواہ اُس سے نفرت پیدا ہو جائے۔ آپ نے دُعا کی اور چند روز بعد اُس نے لکھا کہ میرے دل میں اُس سے نفرت پیدا ہو گئی ہے۔ اِسی طرح مجھے بھی ایک شخص نے ایسا لکھا تھا اور مَیں نے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سُنت میں اُسے یہی جواب دیا اور اُس نے مجھے بعد میں اطلاع دی کہ اُس کے دل سے اُس کا خیال جاتا رہا۔ پس اللہ تعالیٰ دونوں صورتوں میں مدد کر دیتا ہے۔

پس اپنے اندر ایک پُختہ عزم پیدا کرلو اور جھوٹے وعدوں سے بچو کہ یہ یا تو روحانی بڑھاپے اور یا پھر بچپن کی علامت ہوتے ہیں۔ روحانی جوانی کے وقت انسان کے اندر انکسار، فروتنی، توکل اور معرفت پیدا ہوتی ہے اور وہ کبھی مُنہ سے ایسی بات نہیں نکالتا جسے پورا کرنے کا اُس کے دل میں عزم نہ ہو اور جب وہ کوئی بات کر دیتا ہے تو ایسی پُختہ کرتا ہے کہ چاہے ہمالیہ پہاڑ اُڑ جائے مگر اُس کی بات نہیں بدلتی۔" (الفضل ۱۵ / اپریل ۱۹۳۹ء)

---

[۱] سیرت ابن هشام جلد ۴ صفحہ ۸۴، ۸۵ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

[۲] الفاتحه : ۷

[۳] بخاری کتاب المغازی باب حدیث کعب بن مالک

[۴] بخاری کتاب الصلح باب الصُّلُحُ فِی الدِّیَّةِ